نازش اسحاق

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، وفاقی اُردو یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر سید عون ساجد

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، وفاقی اُردو یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر منظور احمد کی اُردو تحریروں میں روشن خیال اسلام شناسی

Nazish Ishaq
PhD Urdu Scholar, Federal Urdu University, Islamabad
Dr. Syed Aoun Sajid
Assistant Professor Urdu, Federal Urdu University, Islamabad

Enlightened Islamic Thought in Urdu Writings of *Dr. Manzoor Ahmad*

ABSTRACT

Dr. Manzoor Ahmad Khan is a prominent rationalist Islamic scholar who strives to understand religious beliefs, traditions, and teachings through a modern intellectual and rational lens. He believes that the current interpretations of Islam are no longer beneficial for today's modern society. According to him, Muslims lag behind other nations primarily because they have distanced themselves from reason and intellect.Dr. Manzoor advocates for a new interpretation of Islamic thought and emphasizes the need for fresh methodologies to explore new intellectual avenues within Islam. He is critical of blind conformity (taqlid) and seeks to awaken public consciousness through enlightened thinking. He also stresses the importance of religious tolerance and interfaith dialogue for building a harmonious society.Although he faces criticism from various quarters, Dr. Manzoor boldly points out the flaws present in Islamic societies and also offers constructive solutions. In his view, true enlightenment lies in making Islamic teachings practically relevant and effective in addressing contemporary social issues.

Keywords: *Dr. manzoor Ahmed, Enlightment, Islamic thought, Reason and Intellect, Rationalism, Islam Chand Fikri Masaeil, Islam Chand Asri Masaeil, Roshan Khayali, philosophy, Islamic teachings, Conformity*

روشن خیالی (Enlightenment)سترھویں اور اٹھارویں صدی کی فلسفیانہ، فکری، ثقافتی اور سماجی تحریک تھی جس نے انسانی عقل، علم اور سائنسی سوچ کو فروغ دیا۔ روشن خیالی کی بنیاد دراصل ہمیں چودھویں اور پندرھویں صدی میں ہی یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance)میں نظر آتی ہے جب یورپ میں ایک طویل تاریک دور کے خاتمے کے

بعد ایک نئے عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ نشاۃ ثانیہ اور روشن خیالی کا آپس میں گہرا تعلق ہے کیوں کہ دونوں تحریکیں فکری ،سائنسی اور ثقافتی ترقی کی نمائندہ ہیں اور روشن خیالی دراصل نشاۃ ثانیہ کے نظریات کو ہی وسعت دیتی ہے۔ ایموئل کانٹ، جان لاک، ولٹیئر ،ژاں ژاک روسو اور ایڈم سمتھ جیسے مفکرین اس تحریک کے نمائندہ ہیں اور اس کے بنیادی مباحث میں عقل و استدلال، انسانی حقوق، آزادی، سائنسی ترقی ، مذہب پر تنقید اور تعلیم شامل ہیں جن کا مقصد انسانوں کو ظلم، جہالت اور توہمات سے آزاد کرا کے ایک بہتر معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ روشن خیالی کی اس تحریک نے یورپ میں ایک نئے دور کی ابتدا کی جس کے اثرات انیسویں صدی میں برصغیر میں بھی نظر آتے ہیں ۔ سر سید احمد خان اور سید امیر علی جیسے مفکرین نے مسلم روایتی فکر کو جدید زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے لیے عقلیت پسندانہ اور روشن خیال راستہ وضع کیا ۔ وہ اسلام میں اجتہاد کی ضرورت اور تقلید سے بیزاری کا واضح پیغام دیتے ہیں۔ اقبال نے بھی روایتی مسلم طرزِ فکر کے بجائے فلسفہ خودی کے ذریعے زندگی کے مظاہر کو سمجھا اور ظاہر و باطن میں خاص آہنگ و مطابقت پیدا کرنے پر زور دیا ۔ وہ قدامت پسند اور تقلید پسند اذہان سے بھی نالاں نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ نیاز فتح پوری، غلام احمد پرویز، سید علی عباس جلال پوری، سبط حسن، ڈاکٹر مبارک علی، ضمیر نیازی، پروفیسر مہدی حسن اور ڈاکٹر منظور احمد جیسے کئی اہم نام ہیں جو روشن فکری اور عقلیت کا علم اٹھائے ہوئے ہیں۔ جس طرح مغرب کی روشن خیالی کا انحصار عقل پر تھا اور کلیسائی اجارہ داری کو چیلنج کر کے سائنسی و فکری آزادی کو فروغ حاصل ہوا، اسی طرح آج کے دور میں اسلامی دنیا میں بھی شخصی آزادی، علمی تحقیق ،عقیدہ اور عقل کے درمیان تعلق وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں جنہیں روشن خیال اسلام شناسی کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ روشن خیال اسلام شناسی موجودہ دور کی بنیادی ضرورت سمجھی جانے لگی ہے۔ ایک روشن خیال اسلام شناس فرد عقائد، روایات اور دینی تعلیمات کو جدید عقلی و فکری تناظر میں سمجھتے ہوئے ان کی تعبیرات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ روشن خیال اسلام شناسی کا واضح رجحان زیر تحقیق مفکر ڈاکٹر منظور احمد کے مضامین میں ہمیں نظر آتا ہے جہاں وہ اسلام کو عقلی اور جدید سماجی و سیاسی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ عقل و اجتہاد کی اہمیت اور روایتی تفسیر کی از سر نو تشریح کی بات کرتے ہوئے وہ اسلام کی جدید تعبیرات کی طرف پڑھنے والوں کی توجہ مبذول کراتے نظر آتے ہیں جس کا مقصد مذہب کو جمود سے نکال کر ترقی پذیر اور انسان دوست پیغام کے طور پر پیش کرنا ہے۔

ڈاکٹر منظور احمد ایک نامور مفکر، فلسفی اور روشن خیال اسلام شناس ہیں جنھوں نے اسلامی فکر اور معاصر مسائل پر گہری تحقیق اور عالمانہ تجزیہ کیا ہے آپ نے اسلامی فکر کو جدید سوالات اور چیلنجز کے ساتھ ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کا کام اسلام کی کلاسیکی تعلیمات کو جدید دنیا کے تناظر میں پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ آپ ان مفکرین میں

شامل ہیں جو اسلامی تصورات و مفاہیم کو جدیدیت کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی لیے ڈاکٹر صاحب بھی اپنی تحریروں میں جدیدیت اور روایت کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر منظور احمد 1931ء (بعض مآخذ میں 1934ء درج ہے) کو یوپی کے علاقے رام پور میں پیدا ہوئے اور اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران میں ہی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا لٹریچر پڑھ کر جماعتِ اسلامی میں شامل ہو گئے تھے۔ دورانِ طالب علمی میں وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن بھی رہے۔ پاکستان آنے کے بعد انہیں مودودی کی فکر سے اختلاف پیدا ہوا تو انہوں نے جماعتِ اسلامی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ڈاکٹر منظور احمد کے والد انہیں ایم بی بی ایس ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے لیکن ان کا مذہبی رجحان اس قدر زیادہ تھا کہ انھیں جب میڈیکل کالج میں داخلے کے لیے لاہور بھیجا گیا تو وہ کراچی چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد ایم ایس کالج میں شعبہِ فلسفہ میں داخلہ لے لیا۔ کراچی یونیورسٹی سے ماسٹر کیا۔ اسی دوران میں تصوف سے وابستگی بڑھتی گئی۔ ماسٹر کے بعد بطور لیکچرار کراچی یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے اور پھر 1963ء میں پی ایچ ڈی کرنے لندن چلے گئے۔ 1966ء میں کراچی یونیورسٹی واپس آئے اور 1994ء میں یونیورسٹی سے فراغت لے لی ۔ ہمدرد یونیورسٹی کے قیام کے بعد حکیم محمد سعید مرحوم کے اصرار پر یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ وہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر اور اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رکن بھی رہے ہیں۔ عثمان انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (UTT) کے چیئرمین کے عہدے پر بھی فائز رہے اور پاکستان کے دستوری ادارے کونسل اور اسلامک آئیڈلوجی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ پاکستانی حکومت نے ادبی خدمات کے پیشِ نظر 13 جولائی 2011ء کو آپ کو ستارۂ امتیاز سے نوازا ہے۔

ڈاکٹر منظور ابتدائی تعلیم کے دوران میں جماعتِ اسلامی کے نظریات سے متاثر تھے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات میں تبدیلی آئی اور وہ ایک آزاد فکر کے حامل مفکر کے طور پر سامنے آئے۔ آپ اپنی تصانیف ہسٹری آف فلاسفی، اقبال شناسی، اسلام اور زندگی، اسلام چند فکری مسائل، اسلام چند عصری مسائل اور محسوسات کے ذریعے عوام میں شعور بیدار کرتے ہیں اور اپنے مختلف مضامین کے ذریعے قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے ہاں ایک نئے فکری پیراڈائم کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے جو ہماری روایتی سوچ کو تبدیل کرنے میں مفید ثابت ہو۔ ڈاکٹر منظور احمد کی تحریروں میں اسلام شناسی کے متعلق مختلف نوعیت کے سوالات ملتے ہیں جیسا کہ :

۱۔ مسلمانوں میں زندگی اور ترقی کے وہ آثار کیوں نظر نہیں آتے جو کہ دیگر مشرقی و مغربی ممالک میں نظر آتے ہیں؟

۲۔ کیا اسلام کی موجودہ تعبیر و تشریح جو ہمارے ہاں روایتی علماء و عوام میں رائج ہے؛ دورِ جدید میں سماج، سیاست، معاش الغرض زندگی کے کسی بھی شعبے کے لیے سود مند ہے؟

۳۔ کیا مسلمانوں کی حالتِ زار کی وجہ جو عام طور پر ہمیں محراب و منبر سے سنائی دیتی ہے، یہی ہے کہ امتِ مسلمہ نے اسلامی اصولوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے؟ کیا اسلام کی رائج تعبیر میں دورِ جدید کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی سکت ہے؟ یا اس سلسلے میں کوئی راہنمائی ملتی ہے؟ ڈاکٹر منظور کے مطابق:

> "بعض اوقات تو ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں مذہب پر عمل کرنے والوں کا جو تناسب مسلمانوں میں ہے وہ شاید کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے حج پر جانے والوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے اور جتنے مزید لوگ جانا چاہتے ہیں جا بھی نہیں سکتے نماز پڑھنے والوں، روزہ رکھنے والوں زکوٰۃ دینے والوں کی تعداد کا جو تناسب مسلمانوں میں پایا جاتا ہے وہ دوسرے مذاہب کے عبادت گزاروں کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ رہی یہ دلیل کہ ہمارے ایمان یا عمل میں نقص رہ جاتا ہے تو ضرور ہو گا لیکن یہ نقص بھی انسان کے مذہبی جذبات اور محرکات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے عبادت میں اضافہ کے باوجود مسلمان اقوام کی حالت جوں کی توں رہتی ہے۔"(1)

ڈاکٹر منظور احمد اسلامی فکر کی جدید تعبیر کے قائل ہیں۔ ان کے مطابق مسلمانوں نے اسلام کے حقیقی مقاصد کو چھوڑ کر صرف ظاہری عبادات پر زور دیا ہے جب کہ روشن خیال اسلام شناسی یہی ہے کہ اسلام کو دوبارہ دورِ جدید کے مطابق ایک نئے تناظر میں پیش کرنا چاہیے اور اسلام کو بجائے اندھی تقلید کے عقل و شعور کے دائرے میں سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ آج کے دور کے مسائل کا ایک مؤثر حل پیش کر سکے۔ علامہ نیاز فتح پوری اپنی تصنیف "من ویزداں" میں لکھتے ہیں:

> "اپنے ذہن و دماغ کو نوامیسِ قدرت کی گھتیاں سلجھانے کے اہل بناؤ اور پرستشِ اسلاف ترک کر دو کہ اس سے زیادہ سنگِ گراں ترقی کی راہ میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"(2)

مسلمان دیگر اقوام سے اسی لیے پیچھے ہیں کہ وہ آج بھی اسلام کا نعرہ تو لگاتے ہیں لیکن عقل سے کوسوں دور ہیں اور عام لوگوں کی طرح علماء بھی رجعت پسندی میں گرفتار ہیں۔ ڈاکٹر منظور احمد اپنی روشن خیال فکر کے ذریعے عوام میں شعور پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام مذاہب اور بالخصوص اسلام کو ایک نئی تفہیم کی ضرورت ہے دیگر تمام مذاہب اسی پر بڑی حد تک کام کر چکے ہیں لیکن ہم کیوں اپنے تاریخی و تصوراتی نظام کا تنقیدی جائزہ نہیں لے پا رہے۔ کہیں اس کی وجہ وہ حد بندی تو نہیں جس سے باہر نکل کر کوئی بھی شخص کسی بھی مذہب کے دائرے سے نکل جاتا ہے لیکن موجودہ دور میں اس بات کو سمجھنا اشد ضروری ہے کہ ہم آج سے چودہ سو سال پہلے کے واقعات کو کس طرح سمجھیں؟ اگر ہم آج کسی لفظ کو استعمال کرتے ہیں اور اس سے وہی مقصد لیتے ہیں جو چودہ سو سال پہلے کے حالات کے مطابق تھا تو یہ بات

حالات کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیسے ہو سکتی ہے ؟ مسلمانوں کو موجودہ حالات کے تناظر میں سمجھنا ہو گا کہ ہمارے بہت سے مسائل کی جڑ فکری جمود اور جدید علم و عقل سے دوری ہے۔ اگر دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے تو اسلامی عقائد و تعلیمات کو نئے فکری سانچے میں ڈھالتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے مطابق نئے انداز میں پیش کیا جانا چاہیے۔ڈاکٹر منظور اپنی کتاب ”اسلام چند فکری مسائل“ میں رقم طراز ہیں:

> "اسلامی فکر کی تاریخ میں اسلام کی تفہیم کے تین واضح پیراڈائم (paradigm) ملتے ہیں جو اجمالاً اسلامی فکر کا احاطہ کرتے ہیں ۔ حکم و اطاعت کا پیراڈائم ، عقلی تسلیم کا پیراڈائم ،باطنی تسکین کا پیراڈائم ۔عام طور پر پہلے پیراڈائم کی مثال اشعریت دوسرے کی اعتزال اور تیسرے کی تصوف سے دی جاتی رہی ہے۔" (3)

حکم و اطاعت کا پیراڈائم ان میں سب سے بااثر رہا ہے اور اس کا اثر دیگر دونوں پیراڈائم پر بھی ہوا ہے۔ مسلمانوں کی کوئی بھی فکری تحریک خواہ وہ عقلیت پسندی کی ہو یا تصوف کی اس پیراڈئم کے اثر سے آزاد نہیں ہے۔ ڈاکٹر منظور کے مطابق:

> " بیسویں صدی نے اسلام کو ایک بڑا مقبول نعرہ دیا ہے۔ جو اس سے قبل اسلامی تاریخ میں اس طرح کبھی نہیں استعمال ہوتا تھا۔ وہ نعرہ ہے کہ 'اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ "
> (4)

موجودہ دور کے علماء بڑی کثرت سے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس نعرے کا استعمال کرتے ہیں ۔ڈاکٹر منظور اپنی تصنیف ”مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار“ میں یوں لکھتے ہیں:

> " جس طرح اشتراکیت ایک آئیڈیالوجی ہے اسی طرح اسلام بھی ایک آئیڈالوجی ہے۔ ایک بے خدا ہے دوسری باخدا۔ خدا کی ذات وصفات کے منطقی تعلق سے قطع نظر وہ ایک ہدایت دینے والا اور معاشرتی خیر کے لیے شریعت نازل کرنے والا خدا ہے۔"(5)

اسلام اگر ”ضابطہ حیات “کا دعویٰ کرتا ہے تو دنیا کے دیگر مذاہب عیسائیت، بدھ مت، ہندومت وغیرہ سب زندگی کے متعلق اپنا ایک الگ الگ نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ سب زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہوتے ہیں یا ہو رہے ہیں ۔ تکثیریت پسندی (Pluralism) کی رو سے تمام مذاہب اپنے اپنے دعوے میں سچائی کے دعوے دار ہیں اور بعض مذاہب نے تو وقت اور حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر اپنے کلامی طرزِ فکر میں بھی ضروری ترامیم کر لی ہیں لیکن جب بات اسلام کی کی جائے تو صدیوں قبل کا کلامی سانچہ بدستور موجود ہے جو بدلتے تقاضوں کے مطابق آج کار آمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب زندگی کے عملی مسائل کی بات آتی ہے تو مذاہب و مسالک کی نظری بحثیں کام نہیں

دیتیں۔ اہلِ اسلام کو یہ واضح کرنا ہوگا کہ ان کے پاس موجودہ نظام زندگی میں سیاسی، سماجی اور معاشی و معاشرتی مسائل کا حل کیا ہے اور وہ کون سا نیا سماجی نظام ہے جو اسلام نے دیا ہے؟ اسلامی معاشرہ کئی سو سال سے ظاہری حرکت کے ساتھ ساتھ معنوی حرکت سے بھی محروم ہو چکا ہے بلکہ جمود کا شکار ہے۔ فکر کی نئی جہتوں کو دریافت کرنے میں مفکرینِ اسلام کے ہاں کوئی بہتر یا نیا راستہ اول تو نظر نہیں آتا اور اگر نظر آئے تو اسے شدت پسندانہ انداز میں مسترد کر دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر منظور کے نزدیک اجتہاد کا عمل اسلامی فکر کا ایک بنیادی جزو ہے اور اجتہاد کے ذریعے ہی اسلامی قانون کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالنا ممکن ہے لیکن اسلامی فقہ اور قانون سازی کے سلسلے میں نہ صرف ہمارے روایتی علماء بلکہ کچھ بظاہر روشن خیال علماء بھی بڑی حد تک جمود کا شکار ہیں کہ حاکمیت صرف اﷲ تعالیٰ کی ہے اس لیے قانون سازی کا اختیار بھی بلاشرکت غیرے اسی کو حاصل ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ کثیر تعداد میں علماء، سنت کو بالکل قرآن کی طرح اسلامی قانون کا ماخذ اور اسلامی تعلیمات کا منبع بھی قرار دیتے ہیں حالانکہ سنت بھی دراصل نبی پاک ﷺ کا اجتہاد ہے۔ مسلمانوں میں ختمِ نبوت کے تصور کے ساتھ ساتھ یہ نقطۂ نظر بھی آ گیا جو طور طریقے رسول اللہ نے مقرر فرمائے ہیں چاہے وہ وحی جلی کی بنیاد پر ہوں یا وحی خفی کی، اُن میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ ڈاکٹر منظور کے مطابق:

> "ہماری تاریخ میں اور یہ صرف ہمارے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے؛ ہر مذہب کی تاریخ میں اس کے ماننے والوں نے ابتدائی ہدایت کی روشنی میں منطقی، فلسفیانہ، مابعد الطبیعیاتی، فقہی، معاشرتی اور سیاسی نظاموں کی مختلف mythologies تعمیر کی ہیں، غلطی ان میتھالوجیز کی تعمیر میں نہیں، ان کو حق کا آخری اظہار مان لینے میں ہے۔"(6)

اسلام کو کوئی نیا علمی راستہ نکالنے کے لئے ان میتھالوجیز کو ایک نئے ساختیاتی عمل سے گزارنا ہوگا اور اسی تفہیم کی بنیاد پر ایک نئی عمارت قائم کی جائے جو کہ ایک نئی میتھالوجی بھی ہو سکتی ہے اور اس کو دوبارہ Deconstruct بھی کرنا پڑ سکتا ہے لیکن اسی عمل کے بغیر ہم مذہب کی اصل روح تک نہیں پہنچ سکتے کیوں کہ یہ اسلام کے ساتھ بڑی زیادتی ہے کہ اس کی نشاۃ ثانیہ کو محض شرعی قوانین کے نفاذ سے وابستہ کر دیا جائے۔ چنانچہ نیاز فتح پوری جنہیں تاریخ مذاہب سے گہرا شغف تھا، وہ مختلف ادیان کا تقابل کرنے کے بعد اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ جو بھی میتھالوجیز ہمارے معاشرے میں حق کے آخری اظہار کے طور پہ مانی جاتی ہیں یا "اسلام دنیا کا آخری دین ہے" کا جو روایتی مطلب ہمارے عام علماء کرام سے ہمیں ملتا ہے وہ حتمی نہیں ہے۔ "من ویزداں" میں علامہ نیاز فتح پوری یوں رقم طراز ہیں:

> "اسلام دنیا کا تنہا فطری مذہب ہم کو ہر ہر موقع پر غور و فکر، تعقل و تدبر کی تعلیم دیتا ہے، وہ ہم کو بتاتا ہے کہ اصل روح نظامِ عالم پر غور کرنا ہے۔ کائنات اور اس کے مظاہر و آثار کو

دیدۂ نقد و اعتبار سے دیکھنا ہے لیکن مذہب کا علمبردار آج دنیا کو یہ درس دے رہا ہے کہ تعلیم کی تکمیل ہو چکی، دین درجہ کمال کو پہنچ گیا اور وہ تعلیم وہی ہے جو بتائی ہے وہ دین وہی ہے جسے وہ اپنے اسوہ ِ بلند سے ظاہر کرتا ہے "(7)

اگر ہم پاکستان کی بات کریں تو پاکستان میں شریعت کے قوانین تو بنائے گئے ہیں لیکن اخلاقی و مادی زندگی میں کوئی بہتری پیدا نہ ہو سکی۔ اگر ہم نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لائحہِ عمل کو دوبارہ ترتیب دینا ہے تو دینِ اسلام کی تعبیر و تشریح میں دین کے بنیادی منبع اور اصلی مصدر (قرآن مجید) کی طرف رجوع کی کوشش کرنا ہوگی۔ ہمارے ہاں عموماً قرآن مجید کی لفظی تلاوت پر زور دیا جاتا ہے، یا عربی زبان کو مقدس سمجھتے ہوئے عموماً بچوں کو لفظ بہ لفظ قرآن حفظ کرا دیا جاتا ہے لیکن اس کے معنی و مفہوم سے حفظ کرنے والے اور کرانے والے دونوں ہی نا آشنا ہوتے ہیں۔ڈاکٹر منظور احمد ایسے طرزِ عمل کے مخالف ہیں اور قرآنِ مجید کی لفظی تلاوت کو مناسب و مفید عمل نہیں سمجھتے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب "بنیاد پرستی" میں لکھتے ہیں:

"اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کی اور کیا بد قسمتی ہو سکتی ہے کہ وہ عمرِ عزیز کی نصف صدی اس کتابِ مقدس کے مطالعہ میں گزار دیتا ہے۔ مرتے دم تک اسے یہ علم ہی نہیں ہو پاتا کہ کیا پڑھتا رہا۔ "(8)

ہمارے علماء نے قرآن مجید کا صحیح مفہوم ہمارے سامنے پیش نہیں کیا اور قرآن میں جتنے واقعات بیان کیے گے ان کا سیاق سمجھے بغیر ہی معنی تشکیل دے دیے گئے۔ لہٰذا قرآن کی تفہیم بھی موجودہ دور اور جدید نظریات کو مدِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ ہمارے اسلاف نے جو فکری سانچے تشکیل دیے ہیں، اُن میں فکری ارتقاء کو سامنے نہیں رکھا گیا جبکہ ڈاکٹر منظور احمد اسلامی فکری روایت کو ایک متحرک اور ارتقائی عمل کے طور پر دیکھتے ہیں جو زمان و مکان کے تغیرات کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ اُن کے مطابق اسلامی فکری روایت محض ماضی کے نظریات کا احیا نہیں ہے بلکہ ایسا عمل ہے جس میں دین کی بنیادی تعلیمات کو نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی اجازت بھی دینا ہے اور انسانی عقل اور اجتہاد کے ذریعے وحی پر مبنی اصولوں کو ہر دور کے لیے موزوں بنایا جاتا ہے۔ "اسلام چند عصری مسائل" میں ڈاکٹر منظور احمد لکھتے ہیں:

" آج کے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ معاشرتی ساخت اور قوانین کا جو استخراجی پیراڈیم انہوں نے مقدس جان کر قبول کر رکھا ہے اپنا مصرف پورا کر چکا ہے اور آج کی دنیا میں وہ کار آمد نہیں ہے۔ "(9)

علامہ نیاز فتح پوری بھی عقل کو ہی خصوصی اہمیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں :

"مذہب نے اپنی مناظرانہ روش بدلی ہے اور اب وہ اپنے معتقدات کے ثبوت میں صرف
خدا کی مرضی کو دلیل نہیں ٹھہراتا بلکہ علمی نظر سے بھی ان کی صحت پر گفتگو کرنے لگا ہے
اور میرے نزدیک مذہب کی سب سے پہلی شکست یہی ہے کہ جن علوم کی صحت کا پہلے وہ
منکر تھا؛ اب انہی کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے"[10]

ڈاکٹر منظور احمد نے تقلیدی رویوں پر تنقید کی ہے۔ اُن کے نزدیک تقلید پر مبنی رویہ اجتہاد کی روح کو ختم کر دیتا ہے اور مسلمانوں کی تعمیر و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ کلاسیکی علمی ذخیرے تک محدود نہ رہا جائے بلکہ جدید علوم اور ٹیکنالوجی کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے ذہنوں کو اُن بندشوں سے آزاد کریں جو اُن کی شعوری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور کسی بھی ذہنی بندش سے آزادی کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ مذہب چھوڑنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے بلکہ نئی فکر کے دریچے کھولے جائیں تاکہ علم ایک تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند انسانی ذہنوں میں داخل ہو سکے۔

ڈاکٹر منظور کا شمار ان روشن خیال اسلام شناسوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تمام مذاہبِ عالم کا مطالعہ کیا اور وہ اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو بہترین ہے لیکن شعوری جمود اور غلط تشریحات کی وجہ سے ایک جامد مذہب بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا میں نئے نظریات کا سیلاب اُمڈ آیا ہے لیکن مسلمان اِس سے بے خبر رہے، نہ اپنی عقل کو استعمال کیا اور نہ ہی جدید اسالیب ولوازم کو کام میں لاتے ہوئے اسلام کی تفہیمِ نو پر توجہ دی بلکہ سطحی مباحث ہی میں الجھ گئے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ کیسا تھا؟ آپؐ لباس کیسا پہنتے تھے؟ کھاتے پیتے کیسے تھے؟ سوتے کیسے تھے؟ وغیرہ ہمارا اسلام انہیں بحثوں تک محدود رہ گیا اور ہم نبی پاکؐ کے اصل مقصد و منشاء کو سمجھ ہی نہ سکے۔ بقول اقبال:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ڈاکٹر منظور احمد اسلامی معاشرے میں پائی جانے والی خامیوں کی نہ صرف نشان دہی کرتے ہیں بلکہ حل بھی تجویز کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو تعلیم، تحقیق اور مکالمے کے ذریعے ترقی کی راہ دکھاتے ہیں، انہوں نے مذہبی رواداری اور بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ ان کے مطابق اسلام ایسا دین ہے جو مکالمے اور برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔ آپ کے نزدیک اسلام ایک متحرک دین ہے جو ہر دور کے مسائل کے حل کے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے اور روشن خیال اسلام شناسی اسی نکتے میں مضمر ہے کہ اسلامی تعلیمات کو معاصر سماجی مسائل کے لیے قابلِ عمل بنایا جائے۔ ڈاکٹر منظور احمد اجتہاد کو فوقیت دیتے ہیں کیوں کہ اجتہاد کے ذریعے ہی اسلامی قانون کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالنا ممکن ہے اور اجتہاد اس لیے بھی ضروری ہے کہ دینی عقائد و اصول ہر دور کے لیے ایک ایسی بنیاد فراہم کرتے ہیں جو عمل کے لیے نقطۂ ثابت کا کام کرتی ہے جس کے بغیر تغیر کی تفہیم بھی ممکن نہیں۔

ڈاکٹر منظور احمد کے خیالات کو مختلف حلقوں سے تنقید کا سامنا بھی رہا، کچھ علماء نے ان کے نقطۂ نظر کو روایت سے قطعی انحراف بھی سمجھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے قارئین کو شعور دیتے ہیں جو آج کے تنگ نظر معاشرے میں کسی جہاد سے کم نہیں، ان کے اسلام کے متعلق روشن خیال نظریات پڑھنے والوں کی فکر کو ایک نئی جلا ملتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ افراد اسلام صرف اس لیے قبول نہ کریں کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کا مذہب ہے اور اس کو ہم من و عن تسلیم کریں بلکہ شعوری طور پر علمی و فکری جمود کو ختم کر کے منطق و استدلال کی بنیاد پر نئے علمی و عملی میدانوں میں کامیابیاں سمیٹتے ہوئے اسلام کی آفاقیت کو ثابت کریں۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ منظور احمد، ڈاکٹر، اسلام چند فکری مسائل، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2013ء ص7

2۔ نیاز فتح پوری، ڈاکٹر، من و یزداں، فکشن ہاؤس، لاہور 2017ء ص 111

3۔ منظور احمد، ڈاکٹر، اسلام چند فکری مسائل، ص 41

4۔ ایضاً، ص48

5۔ منظور احمد ڈاکٹر، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص 21

6۔ منظور احمد، ڈاکٹر، اسلام چند عصری مسائل، پیس پبلی کیشنز، 2015ء، ص158

7۔ نیاز فتح پوری، علامہ، من و یزداں ، ص35

8۔ سلیم اختر ڈاکٹر، بنیاد پرستی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2007ء، ص51

9۔ منظور احمد، ڈاکٹر، اسلام چند عصری مسائل، ص 73

10۔ نیاز فتح پوری، علامہ، من و یزداں، ص688

References in Roman Script:

1. Manzoor Ahmed, Dr., Islam Chand Fikri Maseil, Idara Saqafat -e- Islamia, 2013, p. 7
2. Niaz Fatehpuri, Dr., Man -O -Yazdaan, Fiction House, Lahore, 2017, p. 111
3. Manzoor Ahmed, Dr., Islam Chand Fikri Masaeil, Idara-e-Saqafat-e-Islamia, 2013, p. 41
4. Also, p. 48
5. Manzoor Ahmed Dr., Mustaqbil Main Islam Ki Tefheem or Akisvien Sadi Main Hamara Qirdar, p. 21
6. Manzoor Ahmed Dr. Islam Chand Asri Masaeil, p. 158
7. Niaz Fatehpuri, Allama, Man-O-Yazdaan, p. 35
8. Saleem Akhtar Dr. Bunyad Prasti, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2007, p. 51
9. Manzoor Ahmed Dr. Islam Chand Asri Masaeil, Peace Publications 2015, p. 73
10. Niaz Fatehpori, Allama, Man-O-Yazdaan, p. 688